عراق کی سرزمین سے عرض حال۔۔۔۔۔

جناب شکیل حسن شمسی صاحب ''راشٹریہ سہارا'' دہلی

زندگی میں کچھ ایسے مواقع آتے ہیں جب آپ کو اپنی قسمت پر ناز کرنے کو دل چاہتا ہے۔ ایسا ہی لمحہ میری زندگی میں تیسری بار آیا۔ ایک بار جب میں حج پر گیا اور دوسری بار جب میں ایران گیا تھا اور اب عراق کے شہر کربلا میں واقع نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؑ اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت عباسؑ کے روضوں کی منتظمہ کمیٹی نے جب مجھے جشن ربیع الشہادہ کی چھ روزہ تقریبات میں شرکت کے لئے مدعو کیا تو میں خوشی سے جھوم اٹھا۔ یہ جشن امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کے یوم ولادت کے سلسلے میں منعقد ہو رہا ہے۔ اس جشن میں دنیا کے مختلف گوشوں سے جن علماء، دانشوروں، مفکروں اور صحافیوں کو مدعو کیا گیا تھا، ان میں روزنامہ راشٹریہ سہارا کے صحافی کے طور پر میرا نام بھی شامل تھا۔ دعوت نامہ کے ساتھ ساتھ ویزا بھی موجود تھا۔ ہندوستان سے جن لوگوں کو مدعو کیا گیا تھا، ان میں جے این یو کے میرے دوست پروفیسر عین الحسن عابدی، بنگلور کے مشہور سماجی اور مذہبی کارکن آغا سلطان اور میسور کے ماہر سرجن ڈاکٹر محمد رضا شامل ہیں۔ میں ۱۶ر جولائی کو گلف ایئر کی فلائٹ سے بحرین پہنچا اور وہاں ایک گھنٹہ رکنے کے بعد نجف اشرف پہنچ گیا۔ کربلا کے روضوں کا انتظام دیکھنے والی کمیٹی کے نمائندے ہمارے خیر مقدم کے لئے موجود تھے۔

ہم لوگ نجف سے سیدھے کربلا کے لئے روانہ ہوئے۔ ہماری گاڑیاں ۱۸۰ر کلومیٹر کی رفتار سے بھی زیادہ تیز چل رہی تھیں۔ راستے میں کئی جگہوں پر چیکنگ ہو رہی تھی، لیکن ہماری گاڑیوں کی کہیں چیکنگ نہیں ہوئی، کیونکہ ان پر خاص اسٹیکرز لگے ہوئے تھے۔ نجف سے کربلا تک کا ۹۰ر کلومیٹر کا سفر صرف ایک گھنٹہ میں طے ہوا، لیکن کربلا میں داخل ہونے کے بعد ہم کو ہوٹل پہنچنے تک آدھا گھنٹہ لگا۔ ہم جب کربلا میں داخل ہوئے تو سب سے پہلی نظر حضرت عباسؑ کے روضے پر پڑی۔ فرط خوشی سے دم نکلنے کو تھا اور آنکھوں میں اشکوں کا سمندر موجزن تھا۔ ہم روضے کی پشت پر سے ہوتے ہوئے نہر فرات کے قریب رُکے اور ایک چھوٹے سے پل کو پار کر کے دوسرے کنارے پر پہنچے۔ میں دیر تک نہر فرات کو غور سے دیکھتا رہا۔ آج فرات کا پانی اس قابل نہیں ہے کہ اس کو بغیر صاف کئے ہوئے پیا جا سکے، لیکن آج سے دو سو سال پہلے تک اس کا پانی اتنا شفاف تھا کہ نہر کے اندر کی زمین بھی دکھائی پڑتی تھی۔ فرات میں کچھ بچے نہا رہے تھے، کچھ کناروں پر سے چھلانگ لگا رہے تھے اور میں رسولؐ اللہ کے گھر کے ان بچوں کو یاد کر رہا تھا جو العطش کی صدائیں بلند کر رہے تھے۔ مجھے اس کی لہروں میں پیاسوں پر برستے ہوئے تیر نظر آ رہے تھے۔ فرات تیزی سے رواں تھی، لیکن پتہ نہیں کیوں مجھے فرات پر ایک عجیب سی اداسی چھائی ہوئی لگ رہی تھی، حالانکہ ہر روز لاکھوں آدمیوں کی پیاس یہی نہر بجھاتی ہے، لیکن پانی کی ہر موج جیسے اپنا رنگ کھو چکی ہے۔ میرا دل چاہا کہ فرات سے مکالمہ کروں اور پوچھوں کہ تجھے تو علقمہ نام کے بادشاہ نے سیکڑوں سال پہلے تعمیر کیا تھا، اس وقت سے لے کر اب تک نہ جانے کتنے کروڑ لوگوں کی پیاس بجھا چکی ہے۔ تو ہی تو اس خطہ کی لائف لائن ہے، تو ہی تو نہ جانے کتنی صدیوں سے اس خطہ کی آبیاری کر رہی ہے، پھر بھی تو اس قدر اداس کیوں ہے؟ میں فرات سے ابھی سوال پوچھ ہی رہا تھا کہ اچانک مجھ کو لگا فرات

نے ایک شعر کی شکل میں مجھے اپنا جواب عطا کیا ؎

اب روز لاکھوں لوگ پئیں بھی تو کیا مزہ
میں جن کو چاہتی تھی وہ پانی نہ پی سکے

نہر فرات سے گفتگو کرنے کے بعد میں ہوٹل میں داخل ہوا، لیکن یہاں ہم کو ٹھہرنا نہیں تھا صرف لنچ کرنا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد ہم لوگ اپنے ہوٹل کے لئے روانہ ہوئے۔ ویسے تو کربلا میں روضوں کے آس پاس کے علاقوں میں گاڑیاں آنے پر پابندی ہے، لیکن ہماری کاروں کو خصوصی چھوٹ تھی، اس لئے ہماری گاڑیاں زائرین کے ہجوم کے درمیان رینگتی ہوئی ہوٹل کی طرف جارہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم امام حسینؑ کے روضے سے تین سو میٹر کے فاصلے پر قائم ہوٹل الرایات میں پہنچ گئے۔ جس پروگرام میں ہم لوگ مدعو تھے اس کی افتتاحی تقریب پانچ بجے تھی، لیکن ہم لوگوں کو کافی دیر ہو چکی تھی، ہم لوگ جلدی جلدی غسل کر کے امام حسینؑ کے روضے کے لئے روانہ ہوئے اور روضے پر سلام کر کے سیدھے خاتم الانبیاء ہال میں پہنچ گئے، جہاں ہمارا بے صبری سے انتظار ہو رہا تھا کیوں کہ پروفیسر عین الحسن اور مجھ کو اس سیمینار کی افتتاحی تقریب میں ہی اپنے مقالات پیش کرنا تھے۔ ہمارے لئے مترجم کا انتظام ہو چکا تھا۔ عراق کے نائب وزیر اعظم اس موقع پر خصوصی مہمان تھے۔ ان کی تقریر ہوئی، کئی علماء کی تقاریر ہوئیں، کویت کے منسٹر فار انفارمیشن اور وہاں کے ممبر پارلیمنٹ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا، پھر مجھے بلایا گیا۔ میں نے امام حسینؑ اور ہندوستان کے عنوان سے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور ہندوستان کے بارے میں کچھ دلچسپ حقائق حاضرین سے کھچا کھچ بھرے ہال میں پیش کئے۔ میں نے جب یہ کہا کہ آپ لوگ کربلا میں رہتے ہیں، لیکن کئی ہزار میل دور رہنے کے باوجود کربلا ہمارے دل میں رہتی ہے تو لوگ بہت خوش ہوئے۔ میں نے اہل عراق کو بتایا کہ ہندوستان کا شاید ہی کوئی شہر ایسا ہو، جہاں کربلا نام کی کئی عمارتیں موجود نہ ہوں۔ لکھنؤ جیسے شہر میں تو کربلا نام کی بیس پچیس تاریخی عمارتیں ہیں۔ میں نے جلسہ میں کہا کہ ہندوستان کے طول وعرض میں جتنے حسینیہ (امامباڑے) ہیں، دنیا کے دوسرے کسی دوسرے ملک میں نہیں ہوں گے۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ کئی ایسی عمارتیں بھی ہیں، جو ہندو عقیدت مندوں نے امام حسینؑ کی یاد میں بنوائی ہیں۔ یہ سب اطلاعات اہل عراق کے لئے حیران کن تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہند وعراق کے مابین روابط تقریباً ختم ہو گئے تھے، اس لئے دونوں ممالک کی موجودہ نسلیں ایک دوسرے کے بارے میں واقف نہیں ہیں۔ میرے بعد پروفیسر عین الحسن نے تقریر کی اور ہندوستان کے ہندو شعرا کے کئی اشعار کی روشنی میں یہ بتایا کہ ہندوستان کے غیر مسلم افراد امام حسینؑ سے کس قدر محبت وعقیدت رکھتے ہیں۔

بہر حال تین شعبان کو ہم کربلا پہنچ کر بہت خوش تھے، کیونکہ امام حسینؑ کے روضے پر ان کی ولادت کے جشن میں شریک ہونا اپنے آپ میں ایک بڑی سعادت ہے۔ پورے کربلا میں جھنڈیاں لگی تھیں، سرخ پرچم لہرا رہے تھے، قمقمے روشن تھے اور عوام کی طرف سے جلوس نکالے جارہے تھے جن میں شامل بچے، جوان، خواتین اور بزرگ عربی کے لوک گیت گا رہے تھے۔ جلوسوں میں شامل لوگوں نے اپنے ہاتھ میں شمعیں بھی اٹھا رکھی تھیں۔

چار شعبان کو حضرت عباسؑ کے روضے پر شاندار جشن ہوا۔ وہاں خالص سونے کی پلیٹوں کو جوڑ کر نئے مینار بنائے گئے تھے، جو کئی دن سے غلاف میں تھے اس تقریب کے دوران غلاف اٹھایا گیا۔ اس پروگرام میں ایک لاکھ سے زیادہ آدمی شریک ہوئے۔ ان میناروں کی تعمیر میں ۱۰۸ رکلو خالص سونا استعمال ہوا ہے اور تقریباً تین سال کے عرصہ میں یہ بن کر تیار ہوئے ہیں۔

جہاں تک عراق کے حالات کا سوال ہے تو بڑی عجیب سی صورت حال ہے۔ نجف سے لے کر کربلا تک کے سفر کے دوران ہم کو کہیں بھی امریکی فوجی یا امریکی گاڑیاں نہیں دکھائی پڑیں۔ ہر جگہ عراق کی فوج، پولیس اور دہشت گردوں سے لڑنے والی اسپیشل ٹاسک فورس کے لوگ ہی نظر آئے۔ کربلا میں حفاظت کا سارا انتظام مقامی پولیس کے ہاتھوں میں ہی تھا۔ کربلا میں داخل

ہونے والے ہر راستے پر گاڑیوں کی تلاشی لینے کے لئے چیک پوسٹ بنے ہوئے ہیں اور شہر کے اندر حال یہ ہے کہ مقدس روضوں تک جانے والے ہر راستہ پر کم سے کم چار جگہوں پر پیدل چلنے والوں کی جامہ تلاشی ہوتی ہے۔ ہم لوگوں کو خصوصی بیج فراہم کئے گئے ہیں، اس لئے ہماری جامہ تلاشی نہیں ہوتی لیکن اگر ہم اکیلے نکلیں اور ہمارے پاس اپنے بیج نہ ہوں تو ہم کو بھی تلاشی دینا پڑتی ہے۔ ہم لوگ ابھی کربلا میں ہی ہیں اور یہ چھ روزہ جشن ختم ہونے کے بعد ہی بغداد کاظمین اور نجف جاسکیں گے۔ یہاں نہ تو انگریزی کا اخبار ہے نہ ٹی وی پر انگریزی کی خبریں آتی ہیں، اس لئے دنیا میں کیا ہورہا ہے اس کا علم ہم کو نہیں۔ کل دہلی سے ہماری اہلیہ نے بتایا کہ بغداد میں ایک بم بلاسٹ ہوا جس میں ۴۰ رلوگ مارے گئے لیکن یہاں ہم لوگ بے خبر تھے۔ اس بارے میں امام حسینؑ میڈیا سینٹر کے ایک سینئر عہدے دار حیدر منقوشی سے جب میں نے پوچھا کہ بغداد میں کیا بلاسٹ ہوا ہے تو انھوں نے کہا کہ یہاں تو دھماکے ہوتے ہی رہتے ہیں اور اب تو ہم کو اس کی آواز بھی سنائی نہیں پڑتی کیوں کہ ہم مرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، شاید ان لوگوں کو بس تلاوت کلام پاک، نماز اور ذکر حسینؑ کی آواز ہی سنائی پڑتی ہے۔ ان کی اس بات سے لگا کہ اہل عراق کے دل سے موت کا خوف نکل چکا ہے اور تاریخ بتاتی ہے کہ ایسے ہی حالات میں تیغ ناکام ہوتی ہے اور رگ گلو فتحیاب ہوتی ہے۔ بعد میں ایک عراقی نے بتایا کہ دھماکہ بغداد میں نہیں بلکہ فلوجہ میں ہوا تھا جو عراق کے سنی مسلمانوں کا شہر ہے۔ سوچنے کی بات تو یہی ہے کہ دہشت گردوں کا تعلق آخر کس فرقہ سے ہے جو کبھی شیعوں کو نشانہ بناتے ہیں اور کبھی سنیوں کو؟

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) ۲۱ رجولائی ۲۰۱۰ء)

عراق میں منہ چھپائے ہیں امریکی افواج

ویسے تو عراق پر امریکی افواج کا قبضہ ہے لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ کہیں بھی امریکی افواج نظر نہیں آئیں۔ میں نے کربلا سے سامرہ تک کا ۲۶۰ رکلومیٹر کا سفر کیا اور راستے میں ہر پانچ دس کلومیٹر کے فاصلے پر موجود سیکورٹی چیک پوائنٹ سے بھی گذرا جہاں عراقی پولس اور مسلح افواج کے جوان (ہاتھوں میں A.K.47 لئے ہوئے) مستعدی کے ساتھ گاڑیوں کو چیک کررہے تھے۔ ان چیک پوسٹوں پر چیکنگ اتنی سخت تھی کہ کسی قسم کا سفوف بھی اگر گاڑی میں موجود ہوتا تو اس کی نشاندہی Explosive Detector فوراً کردیتا تھا۔ یہاں تک کہ دوا کی گولیوں اور پاؤڈر کی موجودگی کی اطلاع بھی یہ مشین فراہم کردیتی ہے۔ ان چیک پوسٹوں کے آس پاس بکتر بند گاڑیاں موجود ہوتی ہیں اور بڑے بڑے Concrete slabs لگے ہوئے ہوتے ہیں جن کو "T-Walls" کہا جاتا ہے۔ ان مضبوط دیواروں پر بلاسٹ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ہر حفاظتی ناکہ پر razor wire کی باڑھ بھی لگی ہوتی ہے۔ اس تیز دھار والے تار کو پار کرنے کی کوشش کرنے والا لہولہان بھی ہوسکتا ہے۔ ان ناکوں پر گو کہ چیکنگ میں کچھ ہی سیکنڈ لگتے ہیں پھر بھی گاڑیوں کی ایک لمبی قطار ہر چیک پوسٹ پر نظر آتی ہے۔ ہم لوگ چوں کہ مقامات مقدسہ کی مینجنگ کمیٹی کے مہمان تھے اس لئے ہماری گاڑی کو ایک خاص گزرنامہ (پاس) دیا گیا تھا جس کو دکھانے کے بعد ہماری گاڑی کو کاروں کی طویل قطار سے الگ ہٹا کر دوسری راہ داری سے بھیجا جاتا تھا۔ سامرہ سے ہم لوگ ڈیڑھ سو کلومیٹر دور بلد گئے لیکن تب بھی ہم لوگوں کو کوئی امریکی دکھائی نہیں دیا۔ اسی طرح بلد سے بغداد کے سفر کے دوران بھی کہیں کسی امریکی فوجی کا چہرہ دکھائی نہیں دیا۔ کربلا سے نجف اشرف کے درمیان بھی یہی حال تھا۔ میری حیرانی کی انتہا نہیں تھی کیونکہ امید کے مطابق عراق کی ہر شاہراہ پر کوئی نہ کوئی امریکی فوجی ٹکڑی ہونا چاہئے تھی۔ میں نے ایک عراقی دوست سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ امریکی فوجیوں کا چہرہ دکھائی نہ دینے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہاں کے عوام ان سے بے حد نفرت کرتے ہیں اور اکثر محض امریکی فوج کی موجودگی کی وجہ سے فساد جیسی

صورت حال پیدا ہوگئی۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ امریکی افواج اپنا چہرہ اس لئے بھی نہیں دکھاتی ہیں کہ وہ اپنی ہلاکتوں کی تعداد کم سے کم رکھنا چاہتی ہیں۔ چوں کہ ان سکورٹی ناکوں پر اکثر و بیشتر خودکش حملے ہوتے رہتے ہیں، اس لئے امریکی حکام نے بہت چالاکی کے ساتھ اپنی افواج کو اس خطرے سے بچا لیا ہے۔ میرے دوست نے بتایا کہ ایسا نہیں ہے کہ امریکی فوجیں یہاں سے چلی گئی ہیں یا بیرکوں میں بیٹھی ہیں وہ ہر سیکورٹی چیک پر موجود ہیں لیکن وہ "T-Walls" کے پیچھے رہتی ہیں اور اگر کوئی حملہ ہوتا ہے تو اس میں عراقی فوج کے جوان مارے جاتے ہیں اور امریکی پوری طرح محفوظ رہتے ہیں، وہ دھماکے کے بعد باہر نکلتے ہیں اور آس پاس کی آبادیوں کو سراسیمہ کرنے کے لئے ہوائی فائرنگ کرتے ہیں۔ اس طرح کی چالاکی سے امریکی افواج کی شرح اموات میں کافی کمی آئی ہے۔

اتفاق سے میری ملاقات ایک ایسے بزرگ عراقی سے ہوئی جو اچھی خاصی اردو بول سکتے ہیں۔ وہ کئی دہائیوں سے ہندوستان سے عراق جانے والے خوجہ مسلمانوں کو زیارت کے سلسلے میں اپنی خدمات فراہم کرتے ہیں۔ ان سے جب میں نے کہا کہ اب تو عراقی فوج کے عراق سے جانے کے دن آنے والے ہیں اور امید کی جارہی ہے کہ سال بھر کے اندر ہی امریکہ یہاں سے اپنی افواج ہٹالے گا تو انھوں نے ناامیدی کے لہجے میں کہا، اگر امریکہ کو یہاں سے جانا ہی ہوتا تو آتا کیوں؟ امریکی یہاں سے کبھی نہیں ہٹیں گے، آپ بھی دیکھیں گے اور آپ کے بچے بھی دیکھیں گے کہ امریکی یہیں رہیں گے۔ انہوں نے کہا کہ ان امریکیوں نے عراق کو برباد کردیا۔ جب سے امریکی آئے ہیں یہاں شیعہ سنی کی بات ہونے لگی ہے، ورنہ اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا کہ وہ شاہ فیصل کے زمانے سے عراق کے حالات دیکھتے آرہے ہیں اور اس وقت سے آج تک کبھی بھی عراق میں شیعہ سنی کا سوال یہاں کے سماج میں موجود نہیں رہا۔ کوئی نہیں پوچھتا تھا کہ آپ کا مسلک کیا ہے لیکن ان امریکیوں نے جب سے یہاں قدم رکھے ہیں یہاں شیعہ اور سنی آبادیوں کی بات ہونے لگی ہے۔ انہوں نے کہا کہ شیعہ سنی کا سوال صدام کے زمانے میں بھی نہیں اُٹھا۔ صدام کا جو بھی مخالف تھا چاہے وہ شیعہ ہو یا سنی صدام نے اس کو بخشا نہیں چاہے وہ خود صدام کے داماد ہی کیوں نہ ہوں اور جو بھی صدام کا وفادار تھا چاہے وہ شیعہ ہو یا سنی، مزے میں رہا۔ اس بزرگ عراقی سے بات کر کے مجھے بہت سکون ملا کیوں کہ ان کی باتوں میں ایک ایسا درد جھلک رہا تھا جو شاید ہر عراقی کے دل میں موجود تھا۔

عراق کے تقریباً ہر شہر میں بجلی کی شدید قلت ہے اور درجہ حرارت ۵۲ ڈگری سیلسیس تک کی گرمی میں بغیر اے سی کے زندگی گذارنا بہت مشکل ہے، اس لئے ہر گھر میں جنریٹر ضرور موجود ہے، پٹرول صرف ۱۷ روپئے لیٹر ہونے کی وجہ سے جنریٹر چلانا اور رکھنا آسان ہے لیکن یہ جنریٹر اتنے طاقتور تو نہیں کہ سارے گھر کو روشن کرسکیں اس لئے لوگ پریشان نظر آتے ہیں۔ ہندوستانی وفد کے ایک اہم رکن آغا سلطان کے ایک عراقی دوست نے جب ہم سب لوگوں کو دعوت پر بلایا تو بجلی نے بہت پریشان کیا مجبوراً ہم سب کو باہر لان میں بیٹھنا پڑا۔ میں نے اس عراقی سے معلوم کیا کہ بجلی کی یہ صورت حال کیا ہمیشہ سے ہی ایسی ہے تو اس نے جواب دیا کہ نہیں ایسی حالت کبھی نہیں تھی۔۔۔۔ امریکی حملے سے قبل عراق کے لوگ پاور کٹ کے نام سے بھی واقف نہیں تھے لیکن جب امریکیوں نے حملہ کیا تو ہمارے سارے پاور اسٹیشنوں کو اس نے اڑا دیا اور ہر شہر کئی کئی دن تاریکی میں ڈوبا رہا۔ اس نے کہا کہ امریکیوں نے شہری تنصیبات اور فوجی تنصیبات میں ذرا سا بھی فرق نہیں کیا اور دیوانہ وار حملے کئے۔ ان کو جہاں بھی عراق کی ترقی کا کوئی نشان دکھائی دیا، اس کو تباہ کرنے میں انہوں نے ذرا سی بھی جھجھک محسوس نہیں کی۔ اس عراقی نے کہا کہ گو کہ اس سے قبل عراق آٹھ سال تک ایران کے ساتھ برسرپیکار رہا لیکن ایرانی افواج نے کبھی بھی عراق کے شہری ٹھکانوں کو نقصان نہیں پہنچایا لیکن امریکہ کے نام نہاد بااصول فوجی جنرلوں نے

شہروں اور چھاؤنیوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا۔

ایران کا ذکر آیا تو یہاں بھی یہ بتا تا چلوں کہ عراق میں ہر روز ہزاروں ایرانی زائرین مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے آتے ہیں اور یہاں کے بازاروں میں ان کے دم سے بڑی رونق رہتی ہے۔عراق میں ایرانی کرنسی تومان کی کافی آؤ بھگت کی جاتی ہے یہاں اس کو اکسچینج کروانا نہیں پڑتا بلکہ بازاروں میں ایرانی کرنسی قبول کرنے کو ہر دوکاندار ترجیح دیتا ہے۔اگر آپ ایرانی تومان دکھائیں تو دکاندار قیمت میں تخفیف بھی کر دیتا ہے۔سب ہی دکاندار فارسی کے کام چلاؤ الفاظ بھی بول لیتے ہیں، اس لئے ایرانی زائرین کو سامان خریدنے میں کافی آسانی ہوجاتی ہے۔ عراق کے سیاسی افق پر بھی ایرانی رنگ کافی حد تک اثر انداز نظر آتا ہے، خاص طور پر شعلہ بیان، جوشیلے اور جانباز مذہبی رہنما مقتدیٰ صدر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایرانی حکومت کے کافی قریب ہیں۔ ان کے پاس عراق کی پارلیمنٹ میں ۴۰ سیٹیں ہیں اور ان کے اتحاد کے پاس کل ۷۰ نشستیں ہیں۔ابھی تک ان کی جانب سے ہری جھنڈی نہ دکھائے جانے کی وجہ سے عراق میں نئی حکومت کی تشکیل نہیں ہوسکی ہے۔عراق کی سیاسی صورت حال بھی ابھی تک کشش وپنچ کی کیفیت بنی ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے عراق میں ایک عجیب سا عالم ہے۔ وہاں الیکشن ہوئے پانچ مہینے ہو چکے ہیں لیکن کوئی بھی اتحاد، حکومت بنانے کی پوزیشن میں نہیں ہے، اس لئے امریکیوں کے اور زیادہ مزے ہیں وہ ایسی صورت حال کا بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

جہاں تک دہشت گردی کا سوال ہے تو وہ اپنی جگہ جاری ہے۔سخت چوکسی اور کڑے حفاظتی بندوبست کے باوجود کہیں نہ کہیں دھماکہ کرنے میں دہشت گرد کامیاب ہوجاتے ہیں۔ یہاں چوکسی کا یہ عالم ہے کہ مردوں تک کو Explosive Detector سے گزارا جاتا ہے۔نجف، کربلا اور کاظمین میں یہ عام رواج ہے کہ قرب وجوار میں مرنے والوں کی لاشوں کو دفن کئے جانے سے پہلے عقیدتاً روضوں کے اندر لے جایا جاتا ہے لیکن دہشت گردی کی بڑھتی ہوئی کارروائیوں کی وجہ سے یہاں لائی جانے والی لاشوں کو روضے سے باہر ہی کاندھے سے اتار کر رکھا جاتا ہے پھر فوجی جوان Explosive Detector لے کر آتے ہیں اور مردے کی جانچ کرتے ہیں اور مردے کو کاندھا دینے والوں کی بھی جانچ کی جاتی ہے لیکن کوئی برا نہیں مانتا نہ تو کاندھا دینے والے نہ مردے کے ورثا۔۔۔ کیوں کہ سب جانتے ہیں کہ اب عراق میں زندہ رہنے کے لئے یہ لازمی ہوگیا ہے کہ مردوں کی بھی جامہ تلاشی ہو۔

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) ۴ راگست ۲۰۱۰ء)

کب ختم ہوگا وادیٔ نور پہ چھایا ستم کا اندھیرا۔۔

مجھے عراق سے واپس آئے ہوئے ایک ہفتہ سے زیادہ ہوگیا لیکن ابھی تک وہاں کی خوشبو میرے احساس پر چھائی ہوئی ہے۔عراقیوں کی زبردست مہمان نوازی اور ملنساری نے دل و دماغ پر ایسے نقوش چھوڑے ہیں کہ جو تمام عمر میرے ساتھ رہیں گے۔مہمان نوازی اور خوش اخلاقی کا یہ نمونہ ایک ایسے عالم میں دیکھنے کو ملا، جب کہ ملک میں ہر طرف عدم تحفظ کی فضا ہے، بموں کے دھماکوں کا کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری ہے، قدم قدم پر فوج اور پولس کے افسر تلاشی کے لئے موجود ہیں اور مہنگائی نے عام آدمی کا ناطقہ بند کر رکھا ہے۔ ویسے تو ہماری مہمان نوازی کے لئے امام حسینؑ کے روضہ کی مینجنگ کمیٹی 'عتبۃ الحسینیۃ' کے چیف مہتمم سعیدالدین سعد اور حضرت عباسؑ کے روضے 'عتبۃ العباسیۃ' کے انجینئر ثلال ہر وقت موجود تھے، لیکن اس کے باوجود کچھ دوسرے عراقی ایسے تھے، جو ہندوستانی وفد کی دعوت کرنے کو بیتاب تھے۔ان ہی میں سے ایک تھے عراقی فوج کی سریع الحرکت فورس کے میجر جنرل عدنان۔میجر جنرل عدنان سے ہمارا تعارف حضرت عباسؑ کے روضہ پر منعقد ہونے والی اس تقریب میں ہوا تھا، جس میں ۱۰۸ رکلو سونے کی پلیٹوں سے بنائے گئے نئے میناروں کا افتتاح ہونے والا تھا۔

ان میناروں پر بہت ہی خوبصورت انداز میں قرآن کی

آیات تحریر کی گئی ہیں اور بیچ میں خط کوفی میں پنجتن کے نام تحریر ہیں۔ ان میناروں کو دیکھ کر لگتا تھا کہ جیسے دعا کے لئے دو ہاتھ بلند ہو گئے ہیں، جو اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے ہیں کہ اے رب کریم اس مقدس سرزمین کو ظالموں سے نجات دے۔ میجر جنرل عدنان نے ہم لوگوں کے اعزاز میں ایک ہوٹل میں ایک شاندار ضیافت کا اہتمام کیا۔ میجر عدنان کو عراق کے لوگ کافی احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں، ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ مانا جاتا ہے کہ انھوں نے ۲۰۰۷ء میں کربلا کے مقدس شہر میں اس ممکنہ خون خرابے کو روکنے میں بہت اہم رول ادا کیا تھا، جو مقتدیٰ صدر کی مہدی ملیشیا اور عراقی افواج کے درمیان ہونے والا تھا۔ اس واقعہ کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے کہ مہدی ملیشیا کے سیکڑوں ہتھیار بند سپاہی امام حسینؑ کے روضے کی زیارت کے لئے پہنچے تو وہاں موجود حفاظتی عملے نے ان سے کہا کہ وہ ہتھیار رکھ کے اندر جائیں، کیوں کہ روضوں کے اندر کسی کو بھی ہتھیار لے جانے کی جازت نہیں (یہاں تک کہ عراقی افواج اور مسلح پولیس کے ممبران بھی اپنے ہتھیار باہر ہی چھوڑ کر روضے میں داخل ہوتے ہیں) مقتدیٰ صدر کے لوگوں نے اس شرط کو ماننے سے انکار کر دیا، کیوں کہ ان کو خدشہ تھا کہ اگر انھوں نے ہتھیار رکھ دیئے تو چند لمحوں میں امریکی فوجی ان کو گھیر کر ختم کر دیں گے۔ جیسا کہ قارئین جانتے ہیں کہ عراق پر امریکی حملے کے بعد صرف مقتدیٰ صدر ہی ایک ایسے مذہبی رہنما تھے، جنھوں نے جارح فوج کے ساتھ زبردست معرکہ آرائی کی تھی۔ یہاں تک کہ نجف اشرف میں جب وہ پناہ گزیں تھے تو امریکی فوجیوں نے وہاں بھی دھاوا بول دیا تھا اور حضرت علیؑ کے روضے پر بھی گولہ باری شروع کر دی تھی، جس کے بعد شیعوں کے مرجع تقلید آیۃ اللہ سیستانی نے مداخلت کر کے مقتدیٰ صدر کی ملیشیا کو نجف اشرف خالی کرنے کے لئے کہا تھا۔ امریکیوں کی نظر میں عراق میں ان کے سب سے بڑے دشمن مقتدیٰ صدر ہی باقی رہ گئے تھے اور ان ہی کی ملیشیا کے لوگ کربلا میں امام حسینؑ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے پہنچے تھے۔ ایک طرف روضے میں داخلے کے اصول تھے اور دوسری جانب مقتدیٰ صدر کی مہدی ملیشیا کے تحفظ کا معاملہ تھا۔ حالات اتنے بگڑ گئے کہ دونوں طرف سے ہوائی فائر ہونے لگے اور روضے کے آس پاس کے علاقوں میں زبردست بھگدڑ مچ گئی۔ ایسے نازک موقع پر میجر جنرل عدنان نے بہت ہی سمجھداری کے ساتھ معاملات کو سنبھال لیا اور دونوں افواج کے درمیان ٹکراؤ کی نوبت نہیں آئی۔ اب مقتدیٰ صدر نے مسلح جدوجہد ترک کر دی ہے اور ملک کے جمہوری نظام میں شامل ہو گئے ہیں۔ پارلیمنٹ میں ان کے الائنس کو ۷۰ سیٹیں ملی ہیں اور خود ان کی پارٹی صدر مومنٹ کو ۴۰ نشستیں حاصل ہوئی ہیں۔

عراق کے دورے کے درمیان مجھے محسوس ہوا کہ کربلا اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں مقتدیٰ صدر کی کافی مخالفت ہے، جب کہ کوفہ اور بغداد میں ان کو عوام کی زبردست حمایت حاصل ہے۔ نجف میں بھی ان کا خاصا اثر ہے، لیکن ان کے مخالفین کا بھی وہاں زور ہے۔ اصل میں مقتدیٰ صدر کو امریکن بہت زیادہ ناپسند کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ کسی بھی طرح مقتدیٰ صدر کو مسند اقتدار سے دور رکھا جائے۔ اس کے علاوہ امریکی حکام کی یہ بھی کوشش ہے کہ آیۃ اللہ محسن الحکیم کے پوتے عمار الحکیم کی پارٹی نیشنل عراقی الائنس کو بھی اقتدار سے محروم رکھا جائے، کیوں کہ یہ دونوں لوگ ہی ایران کے اسلامی انقلاب سے متاثر ہیں اور امریکہ عراق میں کسی دوسرے اسلامی انقلاب کو پنپتے نہیں دیکھ سکتا۔ امریکیوں کی طرف سے مسلسل مداخلت کے باعث عراق میں پانچ مہینے گزر جانے کے باوجود ابھی تک حکومت کی تشکیل نہیں ہو سکی ہے۔ ابھی حال میں ہی امریکہ کے صدر براک حسین اوباما نے ایک خط بھیج کر عراق میں نئی حکومت کی تشکیل کے سلسلے میں عراق کے سب سے بڑے مذہبی رہنما آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی الحسینی سیستانی سے مدد مانگی ہے۔ آیۃ اللہ سیستانی ایک ایسے عالم دین ہیں، جنھوں نے خود کو ہمیشہ سیاست سے الگ رکھا ہے۔ صدام حسین کے دور میں وہ اسی لئے حکومت کے عتاب سے محفوظ رہے کہ انھوں نے سیاست میں مداخلت

نہیں کی۔ وہ ایک سادہ سی زندگی گزارنے والے روحانی رہنما ہیں۔ ہر سال کروڑوں روپئے ان کے پاس خمس اور سہم امام کے نام پر آتے ہیں، جس کے ذریعہ وہ دنیا بھر میں چل رہے فلاحی اداروں کی مدد کرتے ہیں، لیکن خود ان کے پاس اپنا کوئی مکان نہیں ہے نجف کی ایک پتلی سی گلی میں ایک کرائے کے مکان میں سیستانی صاحب قیام پذیر ہیں۔ گھر میں معمولی قالین اور روئی کے گدے بچھے ہوئے ہیں، جس پر دنیا کے اعلیٰ ترین لوگ بھی آکر بیٹھتے ہیں۔ غذا نہایت سادہ ہے اور ان کے ایک شاگرد نے تو یہ بتایا کہ ان کے کاندھوں پر گذشتہ بارہ سال سے ایک ہی عبا ہے جس کو وہ دھودھو کر پہنتے ہیں، لیکن اس سادگی سے ان کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی، بلکہ وقار میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ یہ بھی ان کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ ملک پر قابض امریکی فوج کے افسروں یا امریکی حکام سے آج تک انھوں نے ملاقات نہیں کی۔ ان کے نام براک اوباما کے خط کے مختلف مطالب نکالے جارہے ہیں، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ امریکہ مقتدیٰ صدر اور عمار الحکیم کو الگ تھلگ کرنے کی غرض سے آیۃ اللہ سیستانی کو بیچ میں لا رہا ہے، لیکن عراق کے عام لوگوں کا خیال ہے کہ آیۃ اللہ سیستانی اس معاملے میں ابھی بھی مداخلت نہیں کریں گے اور بالخصوص امریکہ کے صدر کی اپیل پر تو وہ بالکل دھیان نہیں دیں گے، کیوں کہ ایسا کرنا ان کی شان کے خلاف ہوگا۔

میرے خیال میں آیۃ اللہ سیستانی نئی حکومت کی تشکیل میں کوئی رول بھلے ہی ادا نہ کریں، لیکن اس میں کوئی ہرج نہیں ہے کہ وہ مختلف سیاسی دھڑوں کے بیچ مصالحت کروانے کی کوشش کریں اور ایک ایسی قومی حکومت بننے کا راستہ ہموار کریں، جس میں سب ہی سیاسی پارٹیوں کے لوگ شامل ہوں۔ اس وقت عراق کے حالات بہت دھماکہ خیز ہیں، لاقانونیت عروج پر ہے اور سیاسی عدم استحکام کا فائدہ ملک دشمن عناصر اٹھا رہے ہیں۔ امریکی صدر براک اوباما نے اقتدار سنبھالنے کے بعد جارج بش کی پالیسیوں سے انحراف کی علامت کے طور پر یہ اعلان کر دیا تھا کہ وہ عراق میں موجود افواج کی تعداد میں اس سال کے آخر تک پچاس ہزار کی تخفیف کردیں گے اور ۲۰۱۱ء میں عراق سے امریکی افواج پوری طرح ہٹ جائیں گی، لیکن عراقی عوام کا یہی ماننا ہے کہ امریکی عراق سے کبھی نہیں جائیں گے، اس لئے عین ممکن ہے کہ عراق کے خراب اور تشویشناک حالات کا بہانہ بنا کر امریکی صدر اپنے وعدے سے منحرف نہ ہوجائیں؟ عراق کے لوگوں کا یہ بھی ماننا ہے کہ امریکہ کے سابق صدر جارج بش اور موجودہ صدر براک حسین اوباما کی پالیسیوں میں کوئی فرق نہیں ہے، بس فرق اتنا ہے کہ بش کو اپنی بات منوانے کے لئے فوجی مہم پر یقین تھا اور اوباما تھوڑی نرمی کے ساتھ اسی پالیسی کو آگے بڑھا رہے ہیں، جس کا صرف ایک ہی مقصد ہے کہ عراق کے عوام کو لوٹا کھسوٹا جاسکے۔ ہر عراقی باشندہ آج یہی سوچ رہا ہے کہ کب ختم ہوگا ستم کا یہ سیاہ دور اور کب واپس جائیں گی امریکی افواج؟

عراق میں ہماری مہمان نوازی کرنے والوں میں فلاح نام کے ایک نوجوان بہت پیش پیش تھے، جن سے ہمارے دوست آغا سلطان کے دیرینہ تعلقات ہیں۔ ان کے والد کا ایک شاندار ہوٹل ہے۔ امام حسینؑ کے روضے سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ان کا شاندار بنگلہ ہے، جہاں انگور کی بیلیں اور کھجور کے درخت بہت بڑی تعداد میں ہیں۔ فلاح نے اپنے گھر میں دعوت کی تو یہ بھی دکھایا کہ کھجور کے بلند قامت درختوں پر کس طرح چڑھ کر کھجوریں توڑی جاتی ہیں۔ فلاح نے میرے لیپ ٹاپ سے خبریں اور مضامین بھیجنے کے لئے انٹرنیٹ کنکشن کا انتظام بھی کیا، جس کے سبب مجھے بے حد آسانی ہوگئی اور میں اپنے قارئین کے ساتھ مسلسل رابطے میں رہ سکا۔ ان کے علاوہ بغداد کے ایک دوست مجید نے بھی زبردست مہمان نوازی کا ثبوت دیا اور بلد میں واقع امام علی نقی کے بیٹے سید محمد کے مزار کی نگراں کمیٹی کے لوگوں نے بھی اس قدر خاطر کی ہمارے پاس شکریہ کے لئے الفاظ کم پڑ گئے۔ (بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا (اردو) ۱۱؍اگست ۲۰۱۰ء)

